بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

قومیں کیوں ہلاک ہوتی ہیں؟
(قرآن مجید کا مطالعہ)

سید جلال الدین عمری

انسان اس بات کا محتاج ہے کہ اس پر زندگی کی صراطِ مستقیم واضح ہو۔ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فوز و فلاح سے پوری طرح باخبر ہو تاکہ محض بے خبری اور ناواقفیت کی وجہ سے اسے تباہی اور ہلاکت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول اسی لیے آتے ہیں اور دلائل کے ساتھ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی راہ اس پر کھول دیتے ہیں۔ جو قوم ان کی ہدایات کو ٹھکرا دیتی ہے وہ راہِ راست سے بھٹک جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہے۔ جو قومیں اس طرح تباہ ہوئیں قرآن مجید نے بار بار ان کا تذکرہ کیا ہے۔ سورۂ ق میں ان میں سے بعض کا ذکر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ	ان سے پہلے قوم نوح، کنویں والے،
أَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ○ وَعَادٌ	قوم ثمود، قوم عاد، فرعون اور لوط کے بھائی
وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ○	بن کے رہنے والے (قوم شعیب) اور تبع کی قوم
وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ	جھٹلا چکی ہے۔ ان سب نے رسولوں کی
كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ○ (ق: ۱۲-۱۴)	تکذیب کی پس میری وعید ان پر پوری ہو کر رہی

یہی بات سورۂ غافر میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ	ان سے پہلے قوم نوح اور اس کے
الْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ○ وَهَمَّتْ	بعد کتنے ہی گروہوں نے تکذیب کی اور
كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ	ہر امت (کے اشرار) نے اپنے رسول کو

وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا
بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ قف
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝
(غافر: ۵)

پکڑنے (اور قتل کرنے) کا ارادہ کیا اور باطل
کے ذریعہ بحث و تکرار کرنے لگے تاکہ اس
کے ذریعہ حق کو دبا دیں۔ پس میں نے
انھیں پکڑ لیا۔ پھر کیسا تھا میرا عذاب۔

جو قومیں اس طرح ہلاک اور تباہ ہوئیں وہ اپنے زمانہ کی ترقی یافتہ قومیں تھیں، مادی لحاظ سے بامِ عروج پر پہونچی ہوئی تھیں، ان میں سے بعض علم وفن اور صنعت وحرفت میں بڑی نمایاں تھیں، انھیں اپنی تہذیب اور کلچر پر ناز تھا اور وہ خود کو دوسروں سے برتر تصور کرتی تھیں۔ وہ دنیوی معاملات میں بڑی زیرک اور ہوشیار تھیں اور اپنے بھلے برے کا فرق اچھی طرح سمجھتی تھیں، لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی مخالفت کی، ان کی ہدایات کو ٹھکرایا اور اللہ کی نافرمانی اور معصیت پر جمی رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں تباہی اور ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ ان کا علم، ان کی ہوشیاری اور ان کی شان و شوکت سب کچھ فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ قرآن نے ایک جگہ اس طرح کی قوموں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ
مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ
الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ
مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
(العنکبوت: ۴۰)

پھر ہم نے ان سب کو ان کے
گناہوں کی پاداشں میں پکڑ لیا۔ ان
میں سے بعض وہ تھے جن پر ہم نے کنکر
اور پتھر والی آندھی بھیجی، اُن میں سے
بعض کو ایک ہولناک چیخ نے پکڑ لیا اور
بعض وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا
اور ان میں سے بعض کو ہم نے غرق کر دیا۔
اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے بلکہ
وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

آیت کا آغاز ہی چونکانے اور آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس قوم کو بھی پکڑا اس کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا۔ اللہ کی گرفت بلا وجہ نہیں ہوتی۔ جب بھی کسی قوم پر اس کا عذاب آتا ہے تو اس کے اعمال بد کے نتیجہ میں آتا ہے۔ اس

کے عذاب کی مختلف شکلیں رہی ہیں۔ قومِ عاد پر جو عذاب آیا اس کے اظہار کے لیے یہاں لفظ حاصب آیا ہے۔ 'حاصب' اس آندھی کو کہا جاتا ہے جس میں سنگ ریزے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آندھی صرف مٹی ہی نہیں اڑا رہی تھی، بلکہ اس میں سنگ ریزے بھی شامل تھے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ اس قوم پر سات رات اور آٹھ دن ایسا سخت طوفان آیا اور اتنی شدید آندھی چلی کہ وہ ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ ہر طرف اس کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کھوکھلے درختوں کی طرح اس آندھی نے اسے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ اس کا کوئی فرد بچ نہ پایا۔ (الحاقہ: ۷-۸)

قومِ لوط کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پوری بستی تہ و بالا کر کے رکھ دی گئی اور اس پر مسلسل پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ قوم عبرت کا ذریعہ بن کر رہ گئی، اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے اس سے درسِ عبرت اور نصیحت حاصل کرتے رہیں گے۔ (ہود: ۸۲-۸۳، الحجر: ۷۳-۷۵، الذاریات: ۳۲-۳۷، القمر: ۳۴-۳۹)

قومِ ثمود ایک بھیانک آواز سے ختم ہو گئی۔ قرآن کا ایک دوسرا بیان ہے کہ اس قوم پر زلزلہ آیا تھا۔ (الاعراف: ۷۸) ہو سکتا ہے کہ اس سے ایسی بھیانک آواز نکلی ہو کہ کلیجے شق ہو گئے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ زمین میں بھونچال آیا ہو اور آسمان سے کسی خوفناک آواز یا بجلی کی زبردست کڑک نے اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیسی آواز تھی جس نے ہمیشہ کے لیے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور اس کا کوئی ایک فرد بھی اپنا حال بتانے کے لیے باقی نہ رہا۔

اللہ تعالیٰ کے بعض نافرمان بندے وہ بھی تھے کہ زمین شق ہوئی اور وہ اس میں سما گئے۔ ہامان کے ساتھ یہی ہوا۔ اس کا تعلق حضرت موسیٰ کی قوم سے تھا لیکن اس نے راستہ فرعون کا اختیار کر رکھا تھا۔

حضرت نوحؑ نو سو پچاس ۹۵۰ برس تک اپنی قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے لیکن صدیوں کی کوشش کے باوجود ان کی قوم نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس قوم کی اصلاح سے مایوسی کا اظہار کیا اور اس کی تباہی کی دعا کی اور وہ نذرِ طوفان ہو کر رہ گئی۔ سورۂ انبیاء میں چند جملوں میں اس کی تصویر کشی اس طرح کی گئی ہے۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ	(ابراہیم اور لوط سے) قبل نوح نے
فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَ	پکارا تھا۔ ہم نے اس کی پکار سنی اور اسے
أَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَ	اور اس کے گھر والوں کو بڑے کرب سے
نَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا	نجات دی اور ہم نے اس قوم کے مقابلہ
بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ	میں اس کی حفاظت کی جس نے ہماری
سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝	آیتوں کی تکذیب کی۔ بے شک وہ برے
(الانبیاء: ۷۶-۷۷)	لوگ تھے۔ ہم نے ان سب کو غرق کردیا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اس کی ہدایت سے بے نیازی اور حضرت موسیٰ کی تکذیب کا یہ نتیجہ نکلا کہ فرعون اور اس کی پوری قوم غرقِ دریائے نیل ہوگئی۔ ارشاد ہے۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ	اور موسیٰ کے واقعہ میں عبرت ہے
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ	جب کہ ہم نے اسے کھلی دلیل کے ساتھ
فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ	فرعون کے پاس بھیجا۔ اس نے اپنے
أَوْ مَجْنُونٌ ۝ فَأَخَذْنَاهُ وَ	اعیانِ سلطنت کے ساتھ موبنہ موڑ لیا
جُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي	اور کہا کہ یہ جادوگر یا مجنون ہے۔ پھر ہم
الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ۝	نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا
	اور انھیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ
(الذاریات: ۳۸-۴۰)	مستحقِ ملامت تھا۔

سورہ اعراف میں فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی کا ذکر ان الفاظ میں آرہا ہے۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ	پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور
فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ	انھیں سمندر میں غرق کردیا۔ اس لیے
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا	کہ انھوں نے ہماری آیات کی تکذیب
غَافِلِينَ ۝ (الاعراف: ۱۳۶)	کی اور ان سے بالکل غفلت برتی۔

اس طرح کی بعض اور قوموں کا بھی قرآن نے ذکر کیا ہے۔ قوموں کی اس ہلاکت اور تباہی کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کے رسولوں کی دعوت کو ٹھکرانے کے بعد افراد کی بھی اور قوموں کی بھی پوری زندگی کا رخ غلط ہو جاتا ہے اور وہ

سیۂ زمین پر بار بن جاتی ہیں ۔ ان کے لیے تباہی مقدر ہو جاتی ہے ۔ اسے وہ ٹال نہیں سکتیں۔ سوال یہ ہے کہ قومیں تباہی اور بربادی کا رویّہ کیوں اختیار کرتی ہیں ؟ اس کے اسباب بھی قرآن نے بیان کیے ہیں۔

استکبار فی الارض

قوموں کی تباہی کا ایک سبب قرآن کے نزدیک استکبار فی الارض ہے، یعنی اللہ کی زمین میں خودسری کی روش اختیار کرنا اور اپنے مقابلے میں ہر ایک کو ہیچ اور کم تر سمجھنا اور خیر خواہوں کی نصیحت اور خیر خواہی کو حقارت سے ٹھکرا دینا جب کوئی فرد یا قوم اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ وہ سب سے بلند و برتر ہے، وہ عقل کل ہے اور سب نادان اور بے وقوف ہیں اور اپنے علم و فن اور اپنی سیاسی، معاشی اور تمدنی ترقی پر اترانے لگے تو اپنی تباہی کو خود دعوت دینے لگتی ہے ۔ حضرت نوح کی قوم نے جس طرح اپنی دعوت سے بے رخی برتی اور اس کے ساتھ حقارت آمیز رویہ اختیار کیا اس کے پیچھے ہی استکبار تھا۔ حضرت نوح اللہ تعالیٰ سے بڑے ہی درد کے ساتھ فرماتے ہیں :۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ	نوح نے کہا اے میرے رب میں نے
قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۞ فَلَمْ	اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی۔ لیکن
یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۞	میرے بلانے سے وہ اور زیادہ بھاگتے رہے،
وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ	جب کبھی میں نے انھیں دعوت دی کہ
جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ	(وہ تیری طرف پلٹیں تاکہ) تو ان کو معاف
وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا	کر دے تو انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے
وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۞	کانوں میں کرلیں اور اپنے اوپر کپڑے لپیٹ
(نوح : ۵ - ۷)	لیے اور جم گئے اور بڑے تکبر کا مظاہرہ کیا۔

قوم عاد و ثمود کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے ۔ فرمایا قوم عاد کو اپنی قوتِ بازو، فنی مہارت اور تمدنی ترقی پر ناز تھا۔ وہ کسی کو اپنا حریف نہیں سمجھتی تھی ۔ وہ اس میں اپنی توہین تصور کرتی تھی کہ حضرت ہود کی ہدایت اور نصیحت کو مان کر اپنی روش بدل دے

اور اللہ واحد کی عبادت اور بندگی کی راہ اختیار کرلے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي	پس قوم عاد نے زمین میں نخوت کا
الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا	ناحق مظاہرہ کیا اور کہا کہ ہم سے زیادہ
مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ	طاقت ور کون ہے؟ کیا انھوں نے نہیں
يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ	سوچا کہ جس خدا نے انھیں پیدا کیا ہے وہ
هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا	ان سے زیادہ قوت کا مالک ہے اور ہماری
بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا	آیات کا انکار کر رہے تھے۔ پس ہم نے
عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ	ان پر سخت آندھی بھیجی ایسے دنوں میں
نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ	جو ان کے لیے منحوس تھے، تاکہ ان کو
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ	دنیا کی زندگی کا عذاب چکھائیں اور آخرت
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ	کا عذاب تو وہ اس سے زیادہ رسواکن
لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (فصلت: ۱۵-۱۶)	ہے۔ وہاں ان کی کوئی مدد نہ ہوگی۔

حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کے سامنے اللہ کا دین اس طرح پیش کیا کہ اس کا حق ہونا ثابت ہوگیا اور ان کی غلط روی کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں رہ گئی لیکن اس نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہدایت کی جگہ ضلالت کو ترجیح دی اور روشنی کی جگہ ظلمت کو اختیار کیا۔ بالآخر اس کے فطری نتیجے سے دوچار ہو کر رہی۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ	اور ثمود کو ہم نے راہ دکھائی لیکن
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى	انھوں نے ہدایت اور روشنی کے مقابلے
الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ	میں اندھے پن کو پسند کیا تو ان کو رسواکن
الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا	عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا۔ یہ ان کے
يَكْسِبُوْنَ ۝ (فصلت: ۱۷)	اعمال کا نتیجہ تھا جو وہ کر رہے تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون، ہامان اور قارون کے سامنے اس بات کے واضح دلائل پیش کیے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اسی کا دین پیش کیا، لیکن انھوں نے سرکشی کا مظاہرہ کیا اور اسے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ ایک وقت آیا کہ حضرت موسیٰ کو مصر چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد فرعون اور اس کی قوم اپنے تمام وسائل و ذرائع اور شان و

شوکت کے باوجود اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکی۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ	ان کے پاس موسیٰ دلائل لے کر
فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا	آیا، لیکن انھوں نے زمین میں استکبار
سٰبِقِيْنَ ۝ (العنکبوت: ۳۹)	کی روش اختیار کی اور وہ بچ کر نکل نہ سکے۔

فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت نے استکبار کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی تعلیمات کو جس غرور کے ساتھ ٹھکرایا اور اس کے نتیجے میں جس طرح تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئے اسے قرآن نے ایک اور جگہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ	ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون
هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ	کو اپنی آیات اور کھلی دلیل دے کر فرعون
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ	اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا	بھیجا، لیکن انھوں نے سرکشی کی اور وہ تھے
عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ	ہی متکبر لوگ، کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے
لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا	دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان
عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا	کی قوم ہماری غلام ہے۔ انھوں نے موسیٰ
مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ (المومنون: ۴۵-۴۸)	اور ہارون کی تکذیب کی اور ہلاک ہو کر رہے۔

اور بھی بہت سی قوموں نے اسی استکبار کی بنا پر اللہ کی اطاعت اور اس کے رسولوں کی ہدایت کا انکار کیا اور بالآخر تباہی اور بربادی سے دوچار ہوئیں۔

فساد فی الارض

قوموں کے بگاڑ اور ان کی تباہی کا ایک سبب فساد فی الارض رہا ہے۔ جب کسی فرد یا قوم میں فساد آتا ہے تو اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا وجود نقصان دہ ثابت ہونے لگتا ہے۔ فساد کی ضد صلاح ہے۔ کسی چیز کی افادیت کا باقی رہنا اور دوسروں کے لیے اس کا کارآمد اور مفید ہونا صلاح ہے۔ جو قومیں تباہ ہوئیں قرآن نے ان کا ایک جرم یہ بیان کیا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلا رہی تھی۔ ان کے ذریعہ دنیا کو فائدے اور نفع کی جگہ ضرر اور نقصان پہنچ رہا تھا، انھوں نے قتل و خوں ریزی

نسل کشی، کھیتوں اور باغوں کی تباہی، معاشیات کی بربادی، تعلقات کی خرابی، حقوق کی پامالی، کاروبار میں جھوٹ، دھوکہ، فریب جیسی روش اختیار کر رکھی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی دعوت اسی فساد کے خلاف ہوتی تھی۔ وہ پورے زور اور قوت کے ساتھ کہتے تھے کہ زمین میں فساد نہ مچایا جائے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ	زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا	مچاؤ اور خوف اور توقع سے اسے پکارو،
وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ	بے شک اللہ کی رحمت محسنین سے
مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۵۶)	قریب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاً امن و سکون اور صلاح و فلاح رکھی ہے۔ اس کا پورا نظام اسی مقصد کے لیے وجود میں آیا ہے۔ اس کے پیغمبروں کی بعثت اسی کے لیے ہوتی ہے۔ فساد اس کی اس اصل حالت کو بدلنے کا نام ہے۔ جب زمین میں فساد پھیلتا ہے تو اس کے ساتھ خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ "زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور اپنی ہدایات کے ذریعہ زمین کی اصلاح کر دی ہے، تم اس میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔[1]

فساد اور اصلاح کا تصور بہت وسیع ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسی کہتے ہیں۔

"یہاں زمین میں ہر قسم کا فساد برپا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس میں جان، مال، نسب عقول و ادیان ہر چیز کا فساد شامل ہے 'بعد اصلاحہا' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے زمین کو مخلوق کے منافع اور بندوں کے مصالح کے مطابق بنایا ہے۔ اس میں بگاڑ نہ پیدا کیا جائے۔ اصلاح اور فساد کے تعیین کے ذیل میں مفسرین کے مختلف بیانات ہیں، انھیں بطور مثال سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ کسی ایک شکل کی تعیین کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ مفسرین نے جو کچھ کہا ہے علامہ ابو حیان اس سب کو اس میں شامل سمجھتے ہیں جیسے عدل و انصاف

---

[1] قاضی بیضاوی فرماتے ہیں بعد اصلاحہا ببعث الانبیاء وشرع الأحکام (انوار التنزیل: ۱/۳۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۹۸۸) اس کے بعد آیت ۸۶ کے ذیل میں لکھتے ہیں بعد اصلاحہا ای بعد ما اصلح امرہا او اھلہا الانبیاء و اتباعہم بالشرائع (بیضاوی: ۱/۳۴۹)

کے بعد ظلم، ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت، معصیت کا ارتکاب جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بارش روک دیتا ہے اور قحط آجاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت کے ذریعہ کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتا ہے۔ فساد یہ ہے کہ ان کو برباد کر دیا جائے، درختوں اور پھلوں کو اجاڑ دینا، اللہ کے رسولوں کی تکذیب، شریعت اور احکامِ شریعت کے آنے کے بعد اس کی مخالفت، سب اس میں شامل ہے۔[۱]

حضرت شعیب اپنی قوم کو دعوتِ اصلاح کے ساتھ فساد سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور مفسدین کے انجام سے آگاہ فرماتے ہیں:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ	اور مدین کی طرف ان کے بھائی
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ	شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ قَدْ جَآءَتْكُمْ	قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا	کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے
الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا	پاس تمہارے رب کی جانب سے دلیل
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا	آچکی ہے پس تم ناپ اور تول کو پورا کرو
تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ	اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو زمین
اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ	میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، یہ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے
وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ	ہو اور راستوں پر مت بیٹھو دھمکیاں دیتے ہوئے
وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ	اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں انہیں اس کے
اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ	راستے سے روکتے ہوئے اور ٹیڑھی راہ کی
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠	تلاش میں۔ یاد کرو کہ جب تم تھوڑے تھے
وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ	تو اللہ نے تمہاری تعداد بڑھائی اور دیکھو
الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (الاعراف: ۸۵-۸۶)	مفسدین کا کیا انجام ہوا۔

فرعون نے بنو اسرائیل کے ساتھ جو ظالمانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا اور جس طرح وہ ان کی نسل کشی کر رہا تھا وہ فساد کی بڑی بھیانک شکل تھی۔

---

[۱] ابوحیان۔ البحر المحیط ۴/۳۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳ء

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ	بے شک فرعون نے زمین (مصر) میں
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ	سرکشی کی تھی اور اس کے باشندوں کو
طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ	گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان کے ایک
اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ	گروہ کو کمزور کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو
اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝	ذبح کر دیتا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔
(القصص : ۴)	بے شک وہ مفسدین میں سے تھا۔

حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے اللہ کا دین دلائل کے ساتھ پیش کیا اور اصلاحِ حال کی دعوت دی، لیکن ان مفسدین نے اسے رد کر دیا۔ قرآن مجید نے ایک جگہ ان کے انجام کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ	پھر ہم نے ان (سابقہ انبیاء) کے بعد
مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ	موسیٰ کو اپنی آیات دے کر فرعون اور
وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا	اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ انھوں
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ	نے ان آیات کے ساتھ ظلم کیا۔ پس دیکھ لو
الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (الاعراف : ۱۰۳)	کہ ان مفسدین کا کیا انجام ہوا۔

یہ مثالیں اس حقیقت کو آشکار کرتی ہیں کہ جب کوئی قوم صلاح کی جگہ فساد کی راہ پر چل پڑتی ہے اور تذکیر و تنبیہ کے باوجود اپنی روش نہیں بدلتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو جاتی ہے۔

ظلم و عدوان

ظلم و عدوان فساد ہی کی ایک شکل ہے جس قوم نے بھی عدل و انصاف کو چھوڑ کر ظلم کی راہ اختیار کی وہ بالآخر تباہ ہو کر رہی۔ ظلم و عدوان کے کئی پہلو ہیں۔ قرآنِ مجید میں شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی، اس کی ہدایت سے بے نیازی، معصیت کا ارتکاب، انسانوں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر انسانی رویہ اختیار کرنا، یہ سب ظلم کی مختلف شکلیں ہیں۔ ظلم کسی چیز کے غلط استعمال کو کہا جاتا ہے۔ جب انسان اپنی فہم و فراست اور صلاحیتوں

کا غلط استعمال کرتا ہے تو وہ اپنے آپ پر اور دوسروں پر ظلم کرتا ہے یہی معاملہ قوموں کا ہے۔ جو قومیں اپنی قوت وصلاحیت کو غلط طریقے سے استعمال کرتی ہیں وہ اپنے ساتھ بھی ظلم کرتی ہیں اور دوسروں پر بھی ظلم وستم ڈھاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے چند دن ان کی شان وشوکت اور حکومت وطاقت کے ڈنکے بجتے رہیں، لیکن بہت جلد تباہی ان کی مقدر ہو جاتی ہے۔ جو قومیں تباہ ہوئیں قرآن مجید نے صراحت کی ہے کہ انھوں نے ظلم کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ	ہم نے تم سے پہلے بہت سی قوموں
مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا	کو ہلاک کر دیا جب انھوں نے ظلم کیا،
وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ	ان کے پاس ان کے رسول دلائل کے
وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ	ساتھ آئے۔ وہ ایمان لانے والے نہ تھے
نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝	(ایمان نہ لائے اور اپنے انجام سے دوچار
(یونس: ۱۳)	ہوئے) اسی طرح ہم مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	جن لوگوں نے ظلم کیا وہ جس عیش میں تھے
مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا	اسی کے پیچھے پڑے رہے اور وہ مجرم اور
مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ	خطاکار تھے۔ تمہارا رب بستیوں کو ناحق
لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا	ہرگز ہلاک نہیں کرتا جب کہ وہاں کے لوگ
مُصْلِحُوْنَ ۝ (ہود: ۱۱۶-۱۱۷)	نیک اور صالح ہوں۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قانون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ	تیرا رب بستیوں کو ہرگز ہلاک نہیں

ـلـه ان آیات کے ذیل میں قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:۔

"واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه" ما انعموا فیه من الشهوات واهتموا بتحصیل اسبابها واعرضوا عما وراء ذلك" وكانوا مجرمین" كافرین كأنه اراد أن يبين ما كان السبب لاستئصال الأمم السالفة وهو فشو الظلم فيهم واتباعهم للهوى وترك النهي عن المنكرات مع الكفر (بیضاوی: ۱/۴۶۳)

الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤی اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ٥ (قصص: ۵۹)

کرتا جب تک کہ ان کی بڑی بستی میں رسول نہ بھیج دے جو انھیں ہماری آیتیں سنائے اور ہم بستیوں کو ہرگز ہلاک نہیں کرتے مگر اس وقت جب کہ اس کے باشندے ظلم کر رہے ہوں۔

ارتکابِ سئیات

اگر کوئی قوم دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور اپنے وسائلِ حیات کو عیش وعشرت میں لگا دے، فسق وفجور کی راہ پر چل پڑے، اللہ کی ہدایت اور رہنمائی کا انکار کر دے، اس کے رسول کی تکذیب اور اس کے خلاف سازشیں اور خفیہ تدبیریں کرنے لگے اور اس کے اور اس کے ساتھیوں کے درپے آزار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے لگتی ہے۔ قرآن مجید نے ارتکابِ سئیات کے نتیجے سے بار بار آگاہ کیا ہے۔ فرمایا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ۚ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ٥ (العنکبوت: ۴)

کیا ان لوگوں نے جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے۔ برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

برائیوں کے ارتکاب سے مراد فکری گمراہی اور عملی بگاڑ دونوں ہی ہیں۔ اللہ کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کے بعد کسی کا یہ سوچنا کہ وہ اس کی پکڑ سے بچ جائے گا، بہت بڑی نادانی ہے۔ سورۂ نحل میں زیادہ سخت الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے:

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ٥ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ٥ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ

کیا وہ لوگ جو برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اس سے بے خوف ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر اس طرف سے عذاب آجائے کہ اسے وہ محسوس نہ کریں، یا انھیں (ان کے سفروں میں) چلتے پھرتے پکڑ لے اور وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل: ۴۵-۴۷) | یا انہیں آہستہ آہستہ کم کرکے پکڑ لے۔ بے شک تمہارا رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

جو قومیں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائلِ حیات کو اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ سمجھتی ہیں اور جن کی زندگی آلودۂ سیئات ہو جاتی ہے ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو کر رہتی ہے تنگ دستی اور خوش حالی میں غلط کار افراد اور اقوام کی نفسیات اور اس کے عبرت ناک انجام کا چند جملوں میں ذکر ہے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (الزمر: ۴۹-۵۱)

جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اپنی جانب سے راحت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے اپنے علم (اور صلاحیت) کی وجہ سے ملا ہے بلکہ یہ فتنہ اور آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے، یہ بات ان سے پہلے بھی لوگوں نے کہی تھی، لیکن جو کچھ وہ کسب کر رہے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔ انھوں نے جو برائیاں کمائی تھیں ان کا بدلہ انھیں مل کر رہا۔ ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا ہے انھیں بھی ان کی برائیوں کا بدلہ ملے گا اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید نے قوموں کی ہلاکت اور تباہی کے جو اسباب بیان کیے ہیں ان میں سے بعض کا یہاں حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ کسی قوم کی محض مادی ترقی، معاشی خوش حالی اور عسکری طاقت اس کے دوام و بقا کی ضمانت نہیں ہے۔ کوئی قوم مادی لحاظ سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لے، صنعت و حرفت میں وہ معاصر اقوام سے کتنی ہی آگے کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور کلچر کتنا ہی جاذب اور پرکشش کیوں نہ دکھائی دے رہا ہو اور اسے اغیار پر کتنی ہی بالا دستی کیوں نہ حاصل ہو، اگر اس کے اندر عقیدے اور فکر کا بگاڑ اور اخلاق

زوال موجود ہے تو اس کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھے گا اور اسے اس کا احساس اس وقت ہوگا جب کہ اللہ کے عذاب کے تازیانے برسنے لگیں گے۔

اس وقت دنیا میں جن قوموں کو سیاسی، تہذیبی اور معاشی برتری اور غلبہ حاصل ہے، جو کم زور اور ترقی پذیر ممالک کے معاملات میں پوری طرح دخیل اور ان کے دروبست کو مختلف طریقوں سے کنٹرول کر رہی ہیں اور جو جس فرد یا طبقہ کو چاہتی ہیں تختِ حکومت پر بٹھاتی اور جسے چاہتی ہیں تاجِ اقتدار سے محروم کر دیتی ہیں، افسوس کہ انھوں نے وہی راستہ اختیار کر رکھا ہے جو تباہ شدہ قوموں کا راستہ رہا ہے۔ یہ قومیں نشۂ اقتدار میں اس حقیقت کو فراموش کر چکی ہیں کہ اس دنیا کا ایک خالق و مالک ہے۔ اس کی طاقت بے پناہ اور اس اقتدار لازوال ہے، اس کی قوتِ قاہرہ کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ بغاوت اور سرکشی، ظلم و زیادتی اور استکبار کو برداشت نہیں کرتا۔ معصیت جب حد سے آگے بڑھتی ہے تو اس کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ انسان ہر حال میں اس کی ہدایت اور راہنمائی کا محتاج ہے۔ اس سے بے نیاز ہو کر فلاح و کامرانی کی تلاش سراب کی تلاش ہے۔

ان ترقی یافتہ، یا حکمراں قوموں کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے، جو ان کی ذہنی غلامی سے آزاد ہیں، جو ان کے غلط طرزِ فکر اور ناروا اقدامات کی تائید نہیں کرتے، جو انہیں اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی معصیت اور نافرمانی کے انجام سے باخبر کرنا چاہتے ہیں، انہیں وہ اپنا حریف اور دشمن سمجھنے لگتی ہیں اور انہیں ختم کرنے کے لیے ہر ناجائز تدبیر کو جائز قرار دیتی ہیں۔ کیا یہ کسی بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہے؟

کچھ تحقیقاتِ اسلامی کے بارے میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کی عمر کا اکیسواں سال چل رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے علمی دنیا میں اپنا ایک وقار اور اعتبار قائم کیا ہے۔ کوشش رہی ہے کہ اس کے معیار کو یہی نہیں کہ باقی رکھا جائے بلکہ اسے جہاں تک ہو سکے بہتر بنایا جائے۔ اس نے مختلف موضوعات پر خاصا ٹھوس مواد فراہم کیا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں احساس ہے کہ تلاش و تحقیق کے بہت سے گوشے ہیں جو اس میں زیرِ بحث نہیں آسکے ہیں۔ اگر آئے بھی ہیں تو ابھی تشنہ ہیں اور مزید توجہ چاہتے ہیں۔ اصحابِ علم اور تحقیقاتِ اسلامی کے قلمی معاونین سے

ہماری درخواست ہے کہ وہ اس مجلہ کو اپنا مجلہ سمجھیں، (فی الواقع یہ ان ہی کا مجلہ ہے) اور اپنی علمی کاوشوں اور تحقیقی نگارشات سے اس کے معیار کو بلند سے بلند تر کرنے میں ہمارا تعاون فرمائیں۔

'تحقیقاتِ اسلامی' جیسے علمی مجلات کے لیے مالیات کا مسئلہ ہمیشہ دشوار رہا ہے۔ سہ ماہی ہونے کی وجہ سے اسے ڈاک کی سہولتیں بھی حاصل نہیں ہیں۔ گرانی میں مستقل اضافہ ہو رہا ہے۔ ان حالات میں یہ پہلے سے زیادہ اصحابِ خیر کی ہمدردی اور توجہ چاہتا ہے۔ دو چار اصحابِ خیر چاہیں تو اسے مالیات کی فکر سے آزاد کر سکتے ہیں۔ تعاون کی شکلیں وہ خود ہی تجویز فرما سکتے ہیں۔ اس سے اللہ نے چاہا تو اس کے کارکن زیادہ یکسوئی سے کام کر سکیں گے۔

پانچ چھ سال سے میرا قیام مرکز جماعت اسلامی دہلی میں ہے۔ میں اپنی مختلف علمی اور دعوتی مصروفیات کی وجہ سے تحقیقاتِ اسلامی کے لیے اتنا وقت نہیں دے پاتا، جتنا قیام علی گڑھ کے زمانہ میں دیا کرتا تھا۔ تحقیقاتِ اسلامی ہمیشہ وقت پر شائع ہوتا رہا ہے، لیکن ادھر اس کی اشاعت میں کافی تاخیر ہونے لگی ہے۔ چنانچہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ء کا شمارہ نومبر میں پریس میں جا رہا ہے۔ تحقیقاتِ اسلامی کے کاموں میں برادرم ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا عرصہ سے تعاون حاصل رہا ہے۔ اب ادارہ کی میٹنگ میں میری درخواست پر انھیں باضابطہ معاون مدیر مقرر کیا گیا ہے۔ رضی الاسلام صاحب ایک سنجیدہ، باصلاحیت اور وسیع المطالعہ صاحبِ علم ہیں۔ ان کی کئی تصنیفات اور تراجم شائع ہو چکی ہیں۔ تحقیقاتِ اسلامی میں پابندی سے لکھتے رہے ہیں۔ ان کے تعاون سے امید ہے تحقیقاتِ اسلامی کو مزید ترقی اور استحکام حاصل ہوگا۔ راقم سے مرکز جماعت اسلامی کے پتہ پر اور ڈاکٹر رضی الاسلام صاحب سے ادارۂ تحقیق کے پتہ پر مراسلت ہو سکتی ہے۔